قادیانی اور جمہور مسلمان°

قادیانیوں اور جمہور مسلمانوں کی نزاع نے نہایت اہم سوال پیدا کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے حال ہی میں اس کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کیا۔ میرا ارادہ تھا کہ انگریز قوم کو ایک کھلی چٹھی کے ذریعہ اس مسئلہ کے معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں سے آگاہ کروں۔ لیکن افسوس کہ صحت نے ساتھ نہ دیا البتہ ایک ایسے معاملہ کے متعلق جو تمام ہندی مسلمانوں کی پوری قومی زندگی سے وابستہ ہے۔ میں نہایت مسرت سے کچھ عرض کروں گا۔ لیکن میں آغاز ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی مذہبی بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا اور نہ ہی میں قادیانی تحریک کے بانی[1] کا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی چیز عام مسلمانوں کے لیئے کچھ دلچسپی نہیں رکھتی اور دوسری کے لیئے ہندوستان میں ابھی وقت نہیں آیا۔

ہندوستان کی سرزمین پر بے شمار مذاہب بستے ہیں۔ اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت زیادہ گہرا ہے۔ کیونکہ ان مذاہب کی بنا کچھ حد تک مذہبی ہے اور

° حضرتِ علامہ نے یہ بیان مئی ۱۹۳۵ء میں جاری کیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفا کے بعد یہ بیان، حضرت علامہ کی طرف سے قادیانیت کے خلاف کھلا ہوا اعلانِ جنگ تھا یہی وہ بیان ہے جس نے ایوانِ قادیانیت کے در و بام کو ہلا کر رکھ دیا اور قادیانی بھتے پر پورے پنجاب میں بے بہاؤ کی پڑنے لگیں۔ اس بیان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دور کے تقریباً تمام قابلِ ذکر انگریزی، اُردو اخبارات نے اسے شائع کیا اور اکثر و بیشتر نے اس پر آرٹیکل لکھے (مکتوباتِ اقبال صـ۲۱۲ مرتبہ سید نذیر نیازی) خود حضرتِ علامہؒ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: "(یہ بیان) قریباً تمام انگریزی اخباروں میں شائع ہوا۔ ایسٹرن ٹائمز (لاہور) ٹریبون (لاہور) سٹیٹسمین (دہلی) سٹار آف انڈیا (کلکتہ) علاوہ اس کے اُردو اخباروں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔" (مکتوباتِ اقبال، صـ۲۱۷ مرتبہ سید نذیر نیازی شائع کردہ اقبال اکادمی کراچی

[1] مرزا غلام احمد قادیانی (۱۹۰۸ء — ۱۸۳۹-۴۰ء) سن پیدائش مرزا غلام احمد کی $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$ سائز کی خود

ایک حد تک نسلی۔ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے۔ اور چونکہ اس کی بنیاد صرف دینی ہے اس لیئے وُہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے۔ اسی لیے مسلمان اُن تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہے جو اُس کی وحدت کے لیئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنا نئی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے۔ مسلمان اُسے اسلام کی وحدت کے لیئے خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لیئے کہ اسلامی وحدت ختمِ نبوت سے ہی اُستوار ہوتی ہے۔

انسانیت کی تمدنی تاریخ میں غالباً ختمِ نبوت کا تخیل سب سے انوکھا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ مغربی اور وسط ایشیا کے مُوبدانہ تمدن کی تاریخ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ مُوبدانہ تمدن میں زرتشتی، یہودی، نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں۔ ان تمام مذاہب میں نبوت کے اجراء کا تخیل نہایت لازم تھا۔ چنانچہ اِن پر مستقل انتظار کی کیفیت رہتی تھی۔ غالباً یہ حالتِ انتظار نفسیاتی حظ کا باعث تھی۔

عہدِ جدید کا انسان رُوحانی طور پر مُوبد سے بہت زیادہ آزاد منش ہے۔ مُوبدانہ رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پُرانی جماعتیں ختم ہوتیں اور اُن کی جگہ مذہبی عیار نئی جماعتیں لا کھڑی کرتے۔ اسلام کی جدید دُنیا میں جاہل اور جوشیلے مُلّا نے پریس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے قبل اسلامی نظریات کو بیسویں صدی میں رائج کرنا چاہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام، جو تمام جماعتوں کو ایک رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لیئے مزید افتراق کا باعث بنے۔

اس سے قبل اسلامی مُوبدیت نے حال ہی میں جن دو صورتوں میں جنم لیا ہے میرے نزدیک اُن میں بہائیت، قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وُہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن مؤخر الذکر اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری

نوشت سوانح حیات' کے صلا سے اخذ کیا گیا ہے۔

طور پر قائم رکھتی ہے [1]۔ لیکن باطنی طور پر اسلام کی رُوح اور مقاصد کے لیئے مُہلک ہے ۔ اس کا حاسد خدا کا تصور کہ جس کے پاس دُشمنوں کے لیئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں، اس کا نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور اس کا روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ ۔ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجُوع ہے رُوحِ مسیح کا تسلسُل یہودی باطنیت کا جزو ہے ۔ پولی مسیح بال شیم Beal Shem کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر بوبر Buber کہتا ہے کہ مسیح کی رُوح جو پیغمبروں اور صالح آدمیوں کے واسطے سے زمین پر اُتری' اسلامی ایران میں مُوبدانہ اثر کے ماتحت مُلحدانہ تحریکیں اُٹھیں اور اُنہوں نے بروز، حلُول اور ظِل وغیرہ اصطلاحات وضع کیں تاکہ تناسخ کے اس تصور کو چُھپا سکیں ۔ ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیئے لازم تھا کہ وُہ مُسلم قلوب کو ناگوار نہ گزریں ۔ حتیٰ کہ مسیح موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں ، بلکہ اجنبی ہے اور اس کا آغاز بھی اسی مُوبدانہ تصور میں ملتا ہے ۔ یہ اصطلاح ہمیں اسلام کے دورِ اوّل کی تاریخ اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی ۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو پروفیسر ونسنک Wensinck نے اپنی کتاب موسُومہ 'احادیث میں ربط' میں نُمایاں کیا ہے ۔ یہ کتاب احادیث کے گیارہ مجموعوں اور اسلام کے تین اوّلین تاریخی شواہد پر حاوی ہے ۔ اور یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ اسلاف نے اس اصطلاح کو کیوں استعمال نہیں کیا ؟ یہ اصطلاح اُنہیں غالباً اس لیئے ناگوار تھی کہ اس سے تاریخی عمل کا غلط نظریہ قائم ہوتا تھا ۔ مجُوسی ذہن وقت کو مُدوّر حرکت تصور کرتا تھا ۔ صحیح تاریخی عمل کو بحیثیت ایک تخلیقی حرکت کے ظاہر کرنے کی سعادت عظیم مسلمان مفکر اور مؤرخ یعنی

---

[1] ایسا صرف اس لیئے ہے کہ شکر چڑھا زہر Sugar coated pills مُسلمان آسانی کے ساتھ نگل سکیں ۔ یہ بالکل وہی تکنیک ہے جو بقول حضرتِ علاّمہ مُوبدانہ اثر کی بدولت ایران میں پیدا ہونے والی مُلحدانہ تحریکوں نے اختیار کی ۔ انہوں نے بھی یہودیوں کے عقیدۂ تناسُخ کو مشرف باسلام کرنے کے لیئے اس کو بروز، حلُول اور ظِل وغیرہ کا نام دیا اور ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیئے لازم تھا کہ وُہ مُسلم قلوب کو ناگوار نہ گزریں ۔

ابنِ خلدون کے حصہ میں تھی۔

ہندی مسلمانوں نے قادیانی تحریک کے خلاف جس شدتِ احساس کا ثبوت دیا ہے وُہ جدید اجتماعیات کے طالبِ علم پر واضح ہے۔ عام مسلمان جسے پچھلے دِن "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں ایک صاحب نے "مُلّا زدہ" کا خطاب دیا تھا، اس تحریک کے مقابلہ میں حفظِ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔ اگرچہ اسے ختمِ نبوّت کے عقیدہ کی پوری سمجھ نہیں۔ نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختمِ نبوّت کے تمدّنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا اور مغربیت کی ہوا نے انہیں حفظِ نفس کے جذبہ سے بھی عاری کر دیا ہے۔ بعض ایسے ہی نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو رواداری کا مشورہ دیا ہے۔ اگر سر ہربرٹ ایمرسن[1] مسلمانوں کو رواداری کا مشورہ دیں تو میں انہیں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ زمانے کے فرنگی کے لیئے جس نے بالکل مختلف تمدن، میں پرورش پائی ہو اس کے لیئے اتنی گہری نظر پیدا کرنی دُشوار ہے کہ وُہ ایک مختلف تمدن رکھنے والی جماعت کے اہم مسائل کو سمجھ سکے۔

ہندوستان میں حالات بہت غیر معمولی ہیں۔ اس ملک کی بے شمار مذہبی جماعتوں کی بقاء اپنے استحکام کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ جو مغربی قوم یہاں حکمران ہے، اُس کے لیئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ مذہب کے معاملہ میں عدمِ مداخلت سے کام لے۔ اس پالیسی نے ہندوستان ایسے ملک پر بدقسمتی سے بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ مبالغہ نہ ہوگا کہ مسلم جماعت کا استحکام اس سے کہیں کم ہے جتنا حضرت مسیح (علیہ السلام) کے زمانہ میں یہودی جماعت کا رومن کے ماتحت تھا۔ ہندوستان میں کوئی مذہبی سٹے باز اپنی اغراض کی خاطر ایک نئی جماعت کھڑی کر سکتا ہے اور یہ لبرل حکومت اصل جماعت کی وحدت کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتی بشرطیکہ یہ مُدّعی اُسے اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلا دے اور اس کے پیرو حکومت کے محصول ادا کرتے رہیں۔ اسلام کے حق میں اس پالیسی کا مطلب ہمارے شاعرِ عظیم اکبر نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا، جب اُس نے اپنے مزاحیہ

---

[1] تب گورنر پنجاب

انداز میں کہا ہے

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

میں قدامت پسند ہندوؤں کے اس مطالبہ کے لیئے پوری ہمدردی رکھتا ہوں جو انہوں نے نئے دستور میں مذہبی مصلحین کے خلاف پیش کیا ہے[1]۔ یقیناً یہ مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے پہلے پیش ہونا چاہیئے تھا۔ جو ہندوؤں کے برعکس اپنے اجتماعی نظام میں نسلی تخیل کو دخل نہیں دیتے۔ حکومت کو موجودہ صورتِ حال پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اس معاملہ میں جو قومی وحدت کے لیئے اشد اہم ہے، عام مسلمانوں کی ذہنیت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اُس کے لیئے اس کے سوا چارہ کار نہیں رہتا کہ وُہ معاندانہ قوتوں کے خلاف مدافعت کرے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا کیا طریقہ ہے؟ اور وُہ طریقہ یہی ہے کہ اصل جماعت جس شخص کو تلعّب بالدّین کرتے پائے اُس کے دعاوی کو تحریر و تقریر کے ذریعہ جھٹلایا جائے پھر کیا یہ مناسب کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے حالانکہ اُس کی وحدت خطرہ میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پُوری اجازت ہو اگرچہ وُہ تبلیغ اور دُشنام سے لبریز ہو[2]۔ اگر کوئی گروہ، جو اصل جماعت کے نقطۂ نظر سے باغی ہے، حکومت کے لیئے مفید ہے تو حکومت اُس کی خدمات کا صلہ دینے کی پُوری طرح مجاز ہے۔ دوسری جماعتوں کو اس سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ توقع رکھنی بیکار ہے کہ خود جماعت ایسی قوتوں کو نظر انداز کر دے جو اُس کے اجتماعی وجود کے لیئے خطرہ ہیں۔ اس مقام پر یہ دُہرانے کی غالباً

---

[1] ہندوؤں کو بھی اپنی وحدت کی بقا کے تحفظ کا مسئلہ درپیش تھا۔

[2] قرائن سے معلوم ہوتا ہے اس مقام پر حضرتِ علامہ اُن پابندیوں کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں جو اُس وقت کی انگریزی حکومت نے قادیانیوں کی مخالفت کرنے پر مولانا ظفر علی خان، اُن کے اخبار زمیندار اور جماعتِ احرار پر عائد کر دی تھیں۔

ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کے بیشمار فرقوں کے مذہبی تنازعوں کا اُن بنیادی مسائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا جن مسائل پر سب فرقے متفق ہیں۔ اگرچہ وُہ ایک دوسرے پر الحاد کے فتوے ہی دیتے ہوں۔

ایک اور چیز بھی حکومت کی خاص توجہ کی محتاج ہے۔ ہندوستان میں مذہبی مدعیوں کی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ مذہب سے بالعموم بیزار ہونے لگتے ہیں اور بالآخر مذہب کے اہم عُنصر کو اپنی زندگی سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ ہندوستانی دماغ ایسی صُورت میں مذہب کی جگہ کوئی اور بدل پیدا کرے گا، جس کی شکل روس کی دُہری مادیت سے ملتی جُلتی ہوگی۔ لیکن پنجابی مسلمانوں کی پریشانی کا باعث محض مذہبی سوال نہیں ہے۔ کچھ جھگڑے سیاسی بھی ہیں، جن کی طرف سر ہربرٹ ایمرسن نے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ یہ اگرچہ خالص سیاسی جھگڑے ہیں لیکن ان کی اہمیت بھی مذہبی سوال سے کسی طرح کم نہیں۔ جہاں مجھے حکومت کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ اُسے پنجابی مسلمانوں کی وحدت کا احساس ہے وہاں میں حکومت کو احتسابِ خویش کا مشورہ بھی دوں گا۔ میں پُوچھنا چاہتا ہوں کہ شہری اور دیہاتی مسلمان کی تمیز کے لیئے کون ذمہ دار ہے؟ جس کی بدولت مسلمان جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اور دیہاتی حِصّہ خود بُہت سے گروہوں میں بٹ گیا ہے جو ہر دم آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں؟

سر ہربرٹ ایمرسن پنجابی مسلمانوں کی صحیح قیادت کی عدم موجودگی کا گلہ کرتے ہیں۔ اے کاش! وُہ سمجھ سکتے کہ حکومت کی اس شہری دیہاتی تمیز نے، جسے وُہ خود غرض سیاسی حیلہ بازوں کے ذریعہ برقرار رکھتی ہے، جماعت کو ناقابل بنا دیا ہے کہ وُہ صحیح رہنما پیدا کر سکے میرے خیال میں اس حربہ کا استعمال ہی اس غرض سے کیا گیا ہے تاکہ کوئی صحیح رہنما پیدا نہ ہو سکے۔ سر ہربرٹ ایمرسن صحیح رہنما کی عدم موجودگی کا رونا روتے ہیں اور میں اس نظام کا رونا روتا ہوں، جس نے ایسے رہنما کی پیدائش کو ناممکن بنا دیا ہے[1]۔

---

[1] حرفِ اقبال، صفحہ ۱۰۹-۱۱۳ مرتبہ لطیف احمد شروانی، ایم-اے

ضمیمہ°

مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے بیان سے بعض حلقوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں اور یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ میں نے حکومت کو یہ دقیق مشورہ دیا ہے کہ وُہ قادیانی تحریک کا بہ جبر انسداد کر دے۔ میرا یہ مُدعا ہرگز نہ تھا۔ میں نے اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی ہی ایک ایسا طریقہ ہے جسے ہندوستان کی موجودہ حکمران قوم اختیار کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی پالیسی ممکن ہی نہیں۔ البتہ مجھے یہ احساس ضرور ہے کہ یہ پالیسی مذہبی جماعتوں کے فوائد کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس سے بچنے کی راہ کوئی نہیں جنہیں خطرہ محسوس ہو، اُنہیں خود اپنی حفاظت کرنی پڑے گی۔

میری رائے میں حکومت کے لیئے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وُہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرلے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے ویسی رواداری سے کام لے گا، جیسے وُہ باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتا ہے[1]۔

° جب حضرت علامہؒ کا بیان "قادیانی اور جمہور مسلمان" اخبارات میں شائع ہوا تو بعض لوگ اس سے یہ سمجھے کہ شاید حضرتِ علامہ نے حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قادیانی جماعت کو بر جبر ختم کر دے، اس پر علامہ مرحوم نے مذکورہ وضاحت فرمائی۔

[1] "حرفِ اقبال"، ص ۱۱۹، مرتبہ لطیف احمد شروانی، ایم۔ اے